سلسلہ
مواعظ حسنہ
نمبر ۷۷

سلطنت لازوال

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم



کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی پاکستان

ضروری تفصیل

نامِ وعظ: لازوال سلطنت

نام واعظ: شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم

تاریخ وعظ: ۱۴؍صفر المظفر ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار

وقت: بعد نمازِ فجر

مقام: جامع مسجد جامعہ اشرفیہ لاہور

موضوع: تعلق مع اللہ کے غیر فانی انعامات

مرتب: یکے از خدام حضرت والا مدظلہم العالی (سید عشرت جمیل میرؔ صاحب)

کمپوزنگ: مفتی محمد عاصم صاحب مقیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

اشاعت اوّل: صفر المظفر ۱۴۳۰ھ مطابق فروری ۲۰۰۹ء

تعداد: ۲۲۰۰

باہتمام: ابراھیم برادران سلمہم الرحمٰن

کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال نمبر۲، کراچی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لازوال سلطنت

قرآن پاک کا ترجمہ کرنا آسان کام نہیں ہے

ایک مرتبہ میرے مرشدِ اوّل شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آیت لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ پڑھ کر اس کا ترجمہ یہ کیا کہ اے اہلِ بیت، اے نبی کے گھر والو! تا کہ اللہ نجاستوں اور گندگیوں کو تم سے دور رکھے۔ اس آیت کا ترجمہ بعض لوگوں نے یہ کر دیا کہ اے اہل بیت تا کہ اللہ نجاستوں کو تم سے دور کردے، لیکن حضرت پھولپوری نے فرمایا کہ عن جب صلہ آتا ہے تو مجاوزت کے معنیٰ آتے ہیں لہٰذا عربی بلاغت کے اعتبار سے اس کا صحیح ترجمہ یہی ہوگا کہ اے اہلِ بیت تا کہ اللہ گندگیوں کو تم سے دور رکھے یعنی اللہ چاہتا ہے کہ نجاست تمہیں لگے ہی نہیں جبکہ دور کردے کا ترجمہ عربی بلاغت کے اعتبار سے صحیح نہیں جس کے معنیٰ نعوذ باللہ یہ ہوں گے کہ نجاست لگ گئی تھی پھر الگ کیا لہٰذا دور رکھے بہترین ترجمہ ہے، اللہ جزائے خیر دے حضرت حکیم الامت تھانوی کو کہ کیا عمدہ ترجمہ فرمایا۔ لہٰذا قرآن پاک کا ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں، جیسے بعض لوگ لغت کے اعتبار سے ترجمہ کرتے ہیں مثلاً اِنۡ ھِیَ اِلَّا فِتۡنَتُکَ کا ترجمہ یہ ہے کہ یا اللہ! یہ آپ کی طرف سے امتحان ہے، یہاں فتنہ بمعنی امتحان ہے، اردو میں جو فتنہ کے معنیٰ مستعمل ہیں وہ مراد نہیں۔ چنانچہ جس معنیٰ پر قرآن نازل ہوا، جس معنیٰ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادیا بس وہی معنیٰ مقرر ہوں گے، لہٰذا جو لوگ یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ اے اہلِ بیت تا کہ اللہ تم کو نجاستوں سے پاک کردے وہ بالکل غلط ترجمہ کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں شانِ رحمت کی تعلیم

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ قرآن رحمٰن نے سکھایا ہے، جب قرآن اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے تو اسے صرف لغت سے مت حل کرو، قرآن کے درست معنیٰ وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھائے۔ یہاں ایک بات یاد آئی کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ میں صفتِ رحمٰن ہی کو کیوں نازل فرمایا؟ اس لیے کہ قیامت تک کے معلمینِ قرآن کو یعنی قرآن پڑھانے والوں کو یہ سبق مل جائے کہ بچوں کو شانِ رحمت سے پڑھاؤ، قصائی کی طرح ان کی پٹائی مت کرو ورنہ وہ مدرسہ سے نفرت کر کے انگریزی اسکولوں میں بھاگ جائیں گے۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۶۴ء میں مسجد شہداء لاہور میں صوفی غلام سرور صاحب کے یہاں ایک صاحب حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس روتے ہوئے آئے کہ حضرت میرا ایک ہی بیٹا تھا، قاری صاحب کے پاس حافظ ہونے کے لیے بھیجا تھا، ایک دن انہوں نے سبق یاد نہ ہونے پر بچہ کی گردن جھکائی اور پیٹھ پر ایک گھونسہ مارا، گھونسہ بائیں طرف عین دل کے مقابل لگا اور بچہ کا ہارٹ فیل ہوگیا، یہ کہہ کر وہ شخص زاروقطار رونے لگا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایسے قصائیوں کو خدا ہدایت دے۔ علامہ شامی ابن عابدین لکھتے ہیں کہ نابالغ بچہ کو ڈنڈے سے مارنا بھی جائز نہیں ہے، شدید ضرورت پر استاد ہلکے ہاتھ سے مارے وہ بھی تین تھپڑ سے زیادہ نہیں اِیَّاکَ اَنْ تَضْرِبَ فَوْقَ الثَّلَاثِ فَاِنَّکَ اِذَا ضَرَبْتَ فَوْقَ الثَلَاثِ اِقْتَصَ اللہُ مِنْکَ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ جو تین مرتبہ سے زیادہ مارے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے استاد سے قصاص لے گا اور غصہ کی حالت میں ہرگز سزا نہ دے۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوجائے پھر سوچے کہ کتنی سزا مناسب ہوگی۔ غرض تین تھپڑ سے زیادہ مارنا یا بہت زور

سے مارنا جائز نہیں، وہ بھی سخت ضرورت پر ورنہ عام حالات میں بہت رحمت اور محبت سے بچوں کو پڑھاؤ۔

بچوں کو سزا دینے کے طریقے

بچہ کو سزا دینے کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں، اگر سبق یاد نہ ہو تو اسے کلاس میں ایک طرف کھڑا کردو، کھانا بند کردو کہ جب سبق سناؤ گے تب کھانا دیں گے یا چھٹی بند کردو کہ جب سبق سناؤ گے تب چھٹی ملے گی، بچوں کو سب سے زیادہ تکلیف چھٹی بند ہونے سے ہوتی ہے، ان کے نزدیک چھٹی بند ہونے سے بڑھ کر کوئی پٹائی نہیں، اس وقت مدرسہ سے بڑھ کر ان کے لیے کوئی سزا نہیں۔ اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا، ایک بچہ مدرسہ جا رہا تھا اور ایک قصائی ذبح کرنے کے لیے گائے لے جا رہا تھا جو چل نہیں رہی تھی اور قصائی اسے ڈنڈے سے ہانک رہا تھا، یہ دیکھ کر اُس بچہ نے اپنے ابا سے پوچھا کہ کیا یہ گائے بھی مدرسہ جا رہی ہے؟ تو مدرسہ میں چھٹی کے بعد ان کو تھوڑی دیر کے لیے روک لینا ان کے لیے زبردست مجاہدہ ہے۔

بغیر سمجھے قرآن پاک پڑھنا بھی ثواب سے خالی نہیں

تو میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن کو محض لغت سے حل نہیں کیا جا سکتا بلکہ جن پر قرآن نازل ہوا ہے ان کی زبانِ نبوت سے اور صحابہ اور تابعین کے اقوال کی روشنی ہی میں قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے ورنہ الفاظ کچھ ہوتے ہیں اور معانی کچھ اور مراد ہوتے ہیں۔ یہاں پر ایک بات اور عرض کردوں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کو بغیر سمجھے تلاوت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تو ایسا کہنے والا شخص یا بددین ہے یا جاہل ہے۔

میرے مرشدِ ثانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہندوستان میں ستر مدرسے چلا رہے ہیں، ان کے مدرسہ کے بچہ بچہ کو یہ سبق یاد ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کے کیا فوائد ہیں؟ نمبر ۱ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، نمبر ۲ اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی ہے اور نمبر ۳ دل کا زنگ دور ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بغیر معنیٰ سمجھے قرآن پاک

کی تلاوت فضول ہے تو وہ یا تو جاہل ہے یا بددین ہے کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ یہاں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے الم کی مثال دی جس کے معانی کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے زبانِ نبوت سے یہ مثال کیوں نکلوائی ؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مستقبل کا یہ فتنہ تھا کہ مستقبل میں ایسے لوگ آئیں گے جو یہ کہیں گے قرآن کو بغیر سمجھے پڑھنا فضول ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بواسطہ زبانِ نبوت الم کی مثال دی تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بغیر معنیٰ سمجھے بھی قرآن پاک کے ہر حرف پر ثواب ملتا ہے کیونکہ بڑے سے بڑا عالم بھی اس کے معنیٰ نہیں بتا سکتا۔ یہی کہے گا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِ ذَالِکَ اللہ ہی اس کے معنیٰ جانتا ہے۔

قرآن پاک سے فرقہ معتزلہ کے ایک عقیدہ کا رد

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ نازل فرمایا تو توّاب کے بعد رحیم کیوں نازل فرمایا؟ اس لیے کہ علمِ الٰہی میں تھا کہ مستقبل میں فرقہ معتزلہ پیدا ہوگا، جس کا گمراہ کن عقیدہ یہ تھا کہ توبہ کرنے کے بعد قانون اور ضابطہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے ذمہ معاف کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے توّابیت کی صفت کے بعد صفتِ رحمت نازل فرما کر بتا دیا کہ میں جو تمہاری توبہ قبول کرتا ہوں وہ کسی قانون اور ضابطہ سے نہیں کرتا بلکہ اپنی شانِ رحمت سے کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں معتزلہ کے مردود عقیدہ کا رد فرما دیا، اسی لیے اکابر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مقبولیت کی دعا مانگو کیونکہ جو ایک مرتبہ اللہ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کبھی مردود نہیں کرتے، دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی مجلس میں کسی صالح ولی کے صدقہ میں مقبول بنا دے۔

اہل اللہ سے تعلق کا ایک عظیم الشان ثمرہ

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضرت دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضاءِ دائمی عطا کردے، مولانا گنگوہی نے حضرت تھانوی سے پوچھا کہ مولانا دائمی کی قید کیوں لگاتے ہو؟ انہوں نے کہا تاکہ وہ ہمیشہ خوش رہیں، فرمایا رضائے کامل مانگو، وہ جس سے ایک دفعہ خوش ہوجاتے ہیں پھر کبھی ناراض نہیں ہوتے، جس کو ایک دفعہ مقبول بناتے ہیں پھر کبھی مردود نہیں کرتے، اگر اس سے کبھی خطا ہو بھی جائے تو توفیقِ توبہ سے پاک وصاف کردیتے ہیں، اسی لیے حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اہل اللہ کا دامن پکڑے ہوئے ہیں، اللہ والوں سے بیعت ہیں، مشائخ کے یہاں سلوک طے کررہے ہیں، اگرچہ ان سے لغزشیں بھی ہوجائیں، اگرچہ وہ کبھی کسی گناہ سے مغلوب بھی ہوجائیں لیکن آخر میں جب اُن کا خاتمہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ تمام ماسویٰ اللہ پر اپنے تعلق کو غالب کرکے کاملین میں نہ سہی تائبین میں ضرور اُٹھائیں گے۔

حکیم الامت تھانوی کے مُجازِ صحبت حافظ عبدالولی صاحب نے ایک دن مجھے ایک خط دِکھایا کہ اختر میں تجھے حکیم الامت کے الفاظ دِکھانا چاہتا ہوں، میں نے حضرت کو خط لکھا تھا کہ حضرت! میرے اعمال تو بڑے خراب ہیں، مجھے بہت ڈر لگتا ہے کہ نہ جانے قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا؟ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت نے اپنے دستِ مبارک سے حافظ عبدالولی صاحب کو جو جواب تحریر فرمایا اس کو میں نے خود پڑھا ہے، حضرت کے الفاظ یہ تھے کہ ان شاء اللہ بہت اچھا خاتمہ ہوگا، اگر کاملین میں نہ اٹھائے گئے تو تائبین میں ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ اور فرمایا کہ جو لوگ اللہ اللہ کرتے ہیں اور اللہ والوں کے پاس آتے جاتے ہیں ان سب کے ساتھ اللہ کا یہی معاملہ ہوگا کہ موت سے پہلے ماسِویٰ اللہ پر اپنا تعلق غالب

فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو رحم آتا ہے کہ ساری زندگی یہ مجاہدہ کرتا رہا، نفس سے کشتی لڑتا رہا، کبھی چت ہوگیا کبھی جیت گیا لہٰذا رحم فرما کر آخر میں اسی کو غالب فرمادیتے ہیں اور تعلقاتِ ما سویٰ اللہ پر اپنا تعلق غالب فرما کر اپنے پاس بلاتے ہیں۔ اس پر خواجہ صاحب کا شعر ہے ؎

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

تو دبالے کو بعد میں بیان کیا کہ آخر میں تو ہی دبائے گا ان شاء اللہ۔

توبہ کرنا کسی حال میں نہیں چھوڑنا چاہیے

خواجہ صاحب کی اس ترتیب میں حکیم الامت کا وہ ملفوظ بھی آگیا جو ابھی بیان کیا۔ خواجہ صاحب ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہرحال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

مان لیجیے! ایک آدمی توبہ کرتا ہے پھر اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے پھر وہ اللہ سے معافی مانگتا ہے، دس دن ذکر کرتا ہے تین دن چھوڑ دیتا ہے، پھر شروع کردیتا ہے بہرحال کام میں لگا ہوا ہے تو فرماتے ہیں ان شاء اللہ یہ بھی سلوک طے کرجائے گا، سلوک ان کا نامراد ہوتا ہے جو بیٹھ جاتے ہیں اور پھر چلتے ہی نہیں۔ اسی لیے مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ؎

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے، گر کر اُٹھے، اُٹھ کر چلے

تو خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہرحال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

دوستو! اگر مچھلی کو سو دفعہ پانی سے نکالو تو وہ پھر پانی میں جائے گی۔ اگر اس سے کہو کہ تجھے پانی میں جاتے ہوئے شرم نہیں آتی تو وہ کہے گی ایسی شرم پر مار و لات کیونکہ پانی ہے میری حیات، پانی کے بغیر تو مجھے موت آجائے گی۔ اسی طرح بندہ سے چاہے لاکھ دفعہ گناہ ہو جائے تو لاکھ دفعہ توبہ کرے اور توبہ سے نہ شرمائے کیونکہ توبہ سے شرمانا اللہ سے دوری کو برداشت کرنا ہے۔ جیسے غالب نے مسلمانوں کو توبہ کرنے سے شرم دلائی تھی ۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

اس شعر کے بارے میں مولانا شاہ محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ میں نے غالب کے اس شعر کی اصلاح کی ہے۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے سلسلہ کے نہایت قوی النسبت بزرگ ہیں، ہمارے تمام مشائخ بھی ان کو صاحبِ نسبت کہتے ہیں۔ میں نے خود دیکھا کہ مصنف عبد الرزاق کا حاشیہ لکھنے والے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا علی میاں ندوی اور مفتی محمود الحسن گنگوہی جیسے بڑے علماء اُن سے دُعائیں لیتے تھے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ غالب نے اس شعر میں اتنی شرم دِلائی ہے کہ شرم کی حقیقت ضائع کر دی اور گنہگار مارے شرم کے کعبہ نہیں جائیں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ شریف کی شرح میں حیا کی حقیقت بیان فرماتے ہیں فَاِنَّ حَقِیْقَۃَ الْحَیَا اَنَّ مَوْلَاکَ لَا یَرَاکَ حَیْثُ نَہَاکَ حیا کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تمہیں ان باتوں میں مبتلا نہ دیکھے جن سے تمہیں منع کیا

ہے۔تو مولیٰ کو ناراض کرتے ہوئے تو شرم نہیں آئی، معافی مانگتے ہوئے شرم آرہی ہے، یہ شرم تو حرام ہے لہٰذا مولانا شاہ محمد احمد صاحب نے غالب کے شعر کی اصلاح کردی اور فرمایا۔

میں اسی منہ سے کعبہ جاؤں گا
شرم کو خاک میں ملاؤں گا
ان کو رو رو کے میں مناؤں گا
اپنی بگڑی کو یوں بناؤں گا

دوستو! اگر مچھلی پانی سے نکل جائے تو کیا وہ یہ کہے گی کہ میں نے ایک دفعہ شکاری کا چارہ کھالیا اب مجھے پانی میں جاتے ہوئے شرم آرہی ہے، اگر ایک کروڑ بار پانی سے نکلے گی تو ایک کروڑ بار پانی میں جائے گی۔ پس اگر کروڑہا گناہ ہوجائیں تب بھی اللہ کے سوا کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے جہاں جاؤ گے، ایک ہی اللہ ہے، ایک ہی پالنے والا ہے، گنہگاروں کا خدا بھی وہی ہے اور صالحین اولیاء کا خدا بھی وہی ہے۔ ایک بزرگ نے تہجد کی نماز پڑھی تو غیب سے آواز آئی کہ تمہاری تہجد قبول نہیں، ان کے خادم نے بھی یہ آواز سن لی تو اس نے کہا جب تہجد قبول نہیں تو آرام سے سویئے، تو وہ بزرگ رونے لگے، کہنے لگے قبول ہو یا نہ ہو، ہمارا ایک ہی خدا ہے، ایک ہی دروازہ ہے اسے چھوڑ کر کہاں جائیں، وہ چاہے قبول کریں یا نہ کریں ہمارے لیے اس کے علاوہ کوئی اور بارگاہ نہیں ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسری چوکھٹ پر سر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی اس بات پر ایسا پیار آیا کہ فوراً آسمان سے آواز آئی۔

قبول است گرچہ ہنر نیستت
کہ جز ما پناہِ دِگر نیستت

اے شخص! تیرا سب تہجد قبول ہے اگرچہ تیرا ہنر اس قابل نہیں کہ اسے قبول کیا جائے پھر بھی ہم قبول کرتے ہیں، کیونکہ میرے سوا تیرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ حاجی امداداللہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو
کہاں جائے بندہ گنہگار تیرا

اور ایک بزرگ سے فرمارہے ہیں ؎

جس گلستاں کے تم گلِ تر ہو
خار اُس بوستاں کے ہم بھی ہیں

صحبتِ اہل اللہ کے فوائد کی عجیب مثالیں

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک کانٹا رورہا تھا کہ میں نے صلحاء کی زبان سے سنا ہے کہ آپ کا نام سَتَّارُالْعُیُوْب ہے یعنی عیبوں کو چھپانے والا، لیکن آپ نے مجھے تو کانٹا بنایا ہے، میرا عیب کون چھپائے گا؟ مولانا رومی دیوانِ شمس تبریز میں فرماتے ہیں کہ اس کی زبانِ حال کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر پھول کی پنکھڑی پیدا کردی تاکہ وہ پھول کے دامن میں اپنا منہ چھپالے۔ بتایئے! گلاب کے پھول کے نیچے کانٹے ہوتے ہیں یا نہیں؟ مگر باغبان ان کانٹوں کو باغ سے نہیں نکالتا، باغ سے صرف وہ کانٹے نکالے جاتے ہیں جو خالص کانٹے ہیں، جنھوں نے کسی پھول کے دامن میں پناہ نہیں لی، اسی طرح جو اللہ والوں سے نہیں جڑتے ان کے لیے تو خطرہ ہے، لیکن جو گنہگار اللہ والوں کے دامن میں منہ چھپائے ہوئے ہیں وہ نہیں نکالے جائیں گے بلکہ ان اللہ والوں کی برکت سے ایک دن وہ بھی اللہ والے بن جائیں گے۔ دنیا کے کانٹے تو پھولوں کے دامن میں کانٹے ہی رہتے ہیں لیکن اللہ والے ایسے پھول ہیں کہ ان کی صحبت میں رہنے والے کانٹے بھی پھول بن جاتے ہیں۔

اگر دیسی آم لنگڑے آم کی قلم کے پیوند سے لنگڑا آم بن سکتا ہے تو دیسی دل یعنی غافل و گنہگار دل بھی اللہ والوں کے ذاکر دل کے پیوند سے اللہ والا بن سکتا ہے،

لنگڑے آم میں تو یہ خاصیت ہو کہ وہ دیسی آم کو لنگڑا آم بنا دے تو کیا اللہ والوں کی صحبت میں یہ خاصیت نہ ہوگی کہ ان کی صحبت گنہگار کو ولی اللہ بنا دے۔ کیا اشرف المخلوقات اللہ والوں کی صحبت نباتات سے بھی کمتر ہے؟ جب نباتات جیسی مخلوق میں یہ خاصیت ہے کہ وہ اپنی صحبت میں رہنے والے کو اپنے جیسا بنا دیتی ہے تو اللہ والوں کے دل میں اس خاصیت کو محال سمجھنا نہایت کم عقلی کی بات ہے۔

اہل اللہ کا ذکر فرشتوں کے ذکر سے افضل ہے

فتح الباری شرح بخاری میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کا اللہ کہنا فرشتوں کے اللہ کہنے سے افضل ہے اور اس کی دو وجہ بیان فرماتے ہیں۔ نمبر ایک یہ کہ اللہ والے جو اللہ کا نام لے رہے ہیں تو وہ بغیر دیکھے اللہ کہہ رہے ہیں اور فرشتے دیکھ کر کہہ رہے ہیں اور ذکر عالمِ غیب کا افضل ہے ذکرِ عالمِ شہادت سے کیونکہ یہ بغیر دیکھے خدا پر مر رہے ہیں اس لیے اِن کا ذکر اُن کے ذکر سے افضل ہے جو دیکھ کر محبت کر رہے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عشقِ من پیدا و دلبر ناپدید

میرا عشق تو ظاہر ہے مگر میرا محبوب پوشیدہ ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ہے، نظر نہیں آتا، اللہ کے عاشق ان کی خاطر ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے ہیں مثلاً اگر مری چلے جائیں اور گرم پانی نہ ملے تو بھی نماز قضاء نہیں کرتے، ٹھنڈے یخ پانی سے چاہے وہ بچھو کی طرح کاٹ رہا ہو وضو کرتے ہیں اور جہاد کے میدان میں گردن کٹوا رہے ہیں اور اپنا خون بہا رہے ہیں لیکن ان کا محبوب نظر سے پوشیدہ ہے۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

عشقِ من پیدا و دلبر ناپدید
در دو عالم ایں چنیں دلبر کہ دید

میرا عشق تو ظاہر ہے، میرا وضو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد سب ظاہر ہے لیکن جن

کے لیے مر رہے ہیں وہ نظر نہیں آتے ، لاؤ! دونوں جہان میں ایسا محبوب مجھے دکھاؤ کہ جس پر بغیر دیکھے جانیں دی جارہی ہوں اور گردنیں کٹوائی جارہی ہوں ؂

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دکھا اُن کی طرح کوئی اگر ہے

ان کا کوئی کفو نہیں وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَد ان کی برابری اور ہمسری کرنے والا کوئی نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے نام کی لذت کا بھی کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا۔

اللہ کے نام کی لذت بے مثل ہے

یہ بات خوب سمجھ لیجیے، اختر اپنے اکابر کے اقوال کی روشنی میں منبر سے اعلان کررہا ہے کہ اللہ کے نام کی مٹھاس اور اللہ کے نام کی لذت اور تعلق مع اللہ کی دولت اور تقویٰ کے نور کی نہ کوئی سلطنت ہمسر ہوسکتی ہے، نہ تخت و تاج ہمسر ہوسکتا ہے، نہ حوروں کی لذت ہمسر ہوسکتی ہے، نہ دنیا کی کوئی لذت ہمسر ہوسکتی ہے، نہ آخرت کی کوئی لذت ہمسر ہوسکتی ہے، اللہ تعالیٰ کے نام کی مٹھاس اور ان کے دیدار کی لذت کی کوئی لذت ہمسر نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَد میرا کوئی ہمسر، کوئی برابری کرنے والا نہیں ہے، پس ان کے نام کی لذت کی بھی ہمسری کوئی نہیں کرسکتا، اس لیے جس کو بلا الیکشن سلطنت لینی ہو، جس کو بلا الیکشن وزارتِ عظمیٰ کی کرسی لینی ہو، جس کو بغیر پیسے کے ساری دنیا کے سیب کھانے ہوں کیونکہ پیسہ ہوتے ہوئے بھی ایک کلو سیب کھانے کے بعد معدہ جواب دے جاتا ہے لیکن جو ایک دفعہ محبت سے اللہ کہتا ہے ساری کائنات کے سیب وہ کھا لیتا ہے، سارے جہان کی نعمتوں کی لذت اس کے قلب میں داخل ہوجاتی ہے۔ محبت سے اللہ کا نام لے کر دیکھو سارے عالم کی لذت اس میں موجود ہے۔ اللہ مرکزِ لذّات ہے، خالقِ لذّات ہے، سرچشمۂ لذّات ہے، اللہ کا نام ایسا کیپسول ہے جس کے اندر دونوں جہان کی لذت موجود ہے، جنت کی حوروں کی لذت بھی ہے اور دنیا کے

حسینوں کی لذت بھی ہے اور گنے کا رس بھی ہے اور انگور کا جوس (Juice) بھی ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

اے دل ایں شکر خوشتر یا آنکہ شکر سازد

اے دل ایں قمر خوشتر یا آنکہ قمر سازد

اے دل! یہ چینی زیادہ میٹھی ہے یا چینی کا پیدا کرنے والا زیادہ میٹھا ہے، اے دل! یہ چاند زیادہ حسین ہے یا چاند کا بنانے والا زیادہ حسین ہے۔ جو لوگ ان حسینوں سے دل لگاتے ہیں ان کی پریشانی شروع ہوجاتی ہے، جہاں پری آئی وہیں شانی بھی آئی، پریشانی میں جہاں پری ہے وہاں شانی بھی ہے، یاء نسبتی ہے یعنی پری یہ کہتی ہے کہ میری شان ہے پریشانی۔ لہٰذا پہلی ہی نظر سے پریشانی شروع ہوجاتی ہے۔

تعزیت تین دن تک کیوں مسنون ہے؟

ایک صاحب نے حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ نظر بچانے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ نظر بازی کے بعد کتنی تکلیف ہوتی ہے اور کتنے گھنٹے رہتی ہے؟ ان صاحب نے لکھا کہ جب حسینوں پر نظر ڈال دیتا ہوں تو بہتّر گھنٹے یعنی تین روز تک اس کی یاد میں قلب تڑپتا رہتا ہے۔ یہ طبعی غم ہے اسی لیے تعزیت بھی تین دن تک مسنون ہے کیونکہ تین دن تک غم کا اثر رہتا ہے اور تین دن کے بعد تعزیت جائز نہیں، تو ایک بدنظری کا اثر کم از کم بہتر گھنٹے رہتا ہے یعنی تین دن تک پریشانی رہتی ہے اور اگر نظر بچائی، حسینوں کو دیکھا ہی نہیں کہ اس کی آنکھ کیسی ہے، ناک کیسی ہے تو پریشانی آئی ہی نہیں بس تھوڑی سی وہمی تکلیف ہوئی کہ نہ جانے اس کی صورت کیسی ہوگی؟ گو ماضی احتمالی استعمال کررہا ہے (ماضی احتمالی میں ہوگا یا ہوگی لگانا ضروری ہے) کہ نہ جانے کیسا ہوگا یا نہ جانے کیسی ہوگی؟ اس لیے یہ وہمی تکلیف زیادہ سے زیادہ تین منٹ رہے گی لیکن پھر جان چھوٹ جائے گی، نظر بچا کر آگے بڑھ گئے اور تکلیف ختم۔ اسی لیے خواجہ صاحب فرماتے تھے ؎

ڈال کر ان پر نگاہِ شوق کو
جان آفت میں نہ ڈالی جائے گی

ہر گناہ میں دوزخ کی خاصیت ہے

نفس دوزخ کی برانچ ہے، جو کچھ برانچ میں جمع کیا جاتا ہے وہ ہیڈ آفس میں جمع ہو جاتا ہے، جو مزاج ہیڈ آفس کا ہوتا ہے وہی برانچ کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو گناہ و نافرمانی نہیں چھوڑتا اس کے دل میں دوزخ کی خاصیت یعنی بے چینی اور پریشانی شروع ہو جاتی ہے اور دوزخ کا مزاج ہے لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَ لَا یَحْییٰ دوزخی کو نہ موت آئے گی نہ زندگی ملے گی۔ اسی طرح گنہگاروں کی زندگی ہوتی ہے کہ نہ ان کو موت آتی ہے نہ زندگی ملتی ہے، اِنہی نادان عشاقِ مجازی کے لیے میں نے ایک شعر کہا ہے۔

نہ نکلی نہ اندر رہی جانِ عاشق
عجب کشمکش میں رہی جانِ عاشق

عاشقِ مجاز اور عاشقِ خدا کے آنسوؤں میں فرق

اچھا ایک بات اور بھی عرض کردوں کہ اگر نظر بازی سے دنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ ملتا تو کہہ دیتے کہ چلو بھائی نظر بازی کا کوئی فائدہ تو ہے مگر اس سے تو دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں خدا کا عذاب ملتا ہے، نہ یہاں آرام نہ وہاں آرام اور حسن اتنی فانی چیز ہے کہ چند ہی دن میں چہرہ کا جغرافیہ بدل جاتا ہے۔ کسی کی جوانی دیکھ کر شاعر غزل کہتا ہے اور ایک ایک شعر پر رات بھر روتا ہے لیکن اس کا ہر آنسو گدھے کے پیشاب سے بھی زیادہ حقیر ہوتا ہے کیونکہ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے دل لگا رہا ہے۔ ایک حدیث کا مضمون ہے کہ جو آنسو اللہ کے لیے نکلتے ہیں شہیدوں کے خون کے برابر ان کا وزن کیا جاتا ہے۔ بتائیے دونوں آنسوؤں میں کتنا فرق ہو گیا۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

کہ برابر می کند شاہِ مجید

اشک را در وزن با خونِ شہید

خدا کے خوف سے توبہ واستغفار میں یا اللہ تعالیٰ کی محبت میں بندہ کے جو آنسو نکلتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی پارہ نمبر ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی گنہگار روتا ہے تو اس کے آہ و نالوں کو سننے کے لیے ملائکہ آتے ہیں، گنہگاروں کا رونا اور توبہ واستغفار میں کانپنا اور گڑگڑانا کہ اے خدا! معاف کردیجیے، دوزخ کی آگ کی برداشت نہیں ہے، نالائقی ہوگئی مگر آپ کریم ہیں اپنے کرم کے صدقہ میں ہمیں معاف کردیجیے، ان کا یہ نالہ و فریاد اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حدیثِ قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ جو گناہوں کو یاد کرکے توبہ واستغفار کررہے ہیں، اللہ کے عذاب کے خوف سے اور ندامت سے رو رہے ہیں، ان کا رونا اور ان کے آہ و نالے مجھے تسبیح پڑھنے والوں کے سبحان اللہ کہنے سے زیادہ عزیز ہیں۔ زَجَلِ کے معنیٰ اہلِ لغت نے لکھے ہیں کہ جو چیز بلند آواز سے پڑھی جائے تو زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ کے معنیٰ ہوئے تسبیح پڑھنے والوں کا زور زور سے سبحان اللہ کہنا یعنی جو زور زور سے تسبیح پڑھ رہے ہیں ان کی سبحان اللہ کی آوازوں سے گنہگاروں کا اشکبار آنکھوں سے سجدہ گاہ کو تر کرنا اور توبہ واستغفار کرنا کہ اے اللہ! مجھ سے خطا ہوگئی اللہ کو زیادہ پسند ہے، ان رونے والوں کو حق تعالیٰ کی رحمت اسی وقت پیار کرلیتی ہے۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بادشاہ کے خزانے میں کوئی موتی نہیں ہوتا تو وہ اس کو کسی دوسرے ملک سے منگواتا ہے اور اس موتی کی بڑی قدر کرتا ہے، اللہ کے عالم ملکوت، عالم لاہوت اور عالم قدس میں فرشتوں کی تسبیح اور عبادتیں تو ہیں لیکن گنہگاروں کے آنسو نہیں ہیں کیونکہ فرشتوں سے خطا ہی نہیں ہوتی تو ندامت کے آنسو کہاں سے لائیں گے لیکن جب اس

عالمِ ناسوت میں گنہگار بندے روتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے آنسو درآمد کرتے ہیں اور اپنے خزانے میں ان آنسوؤں کو موتی بنا کر رکھ لیتے ہیں، اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

ستاروں کو یہ حسرت ہے کہ وہ ہوتے مرے آنسو
تمنا کہکشاں کو ہے کہ میری آستیں ہوتی

میں نے کعبہ کے اندر ایک شعر کہا تھا۔

جو گرے ادھر زمیں پر مرے اشک کے ستارے
تو چمک اٹھا فلک پر مری بندگی کا تارا

قرآن پاک کا محض لغت سے ترجمہ کرنا گمراہی ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے صحابہ کے اقوال کا علم ضروری ہے جیسے کلام پاک کی آیت ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ بتایئے! ڈکشنری کے حساب سے یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ کا کیا ترجمہ ہے؟ اَصْلَحَ یُصْلِحُ کے معنیٰ ہیں اصلاح کر دینا، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دیں گے، لغت سے تو یہ ترجمہ ہوا لیکن آپ تمام تفسیریں دیکھ لیجیے، صحابہ وتابعین کے اقوال کی روشنی میں اس کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ یہاں یُصْلِحُ کے معنیٰ اصلاح کے نہیں ہیں یَتَقَبَّلُ کے ہیں یُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یعنی یَتَقَبَّلُ حَسَنَاتِكُمْ تمہاری نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول کرلیں گے۔ اب بتایئے! اگر کوئی اس آیت کو لغت سے حل کرے گا تو وہ کہاں جائے گا؟ قرآن کے حروف سے علمِ الٰہی میں جو مراد ہے وہاں سے ہٹ جائے گا، اگر مفسرین، صحابہ اور تابعین کے اقوال سامنے نہ ہوں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے نسیان کو عصیان سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

عَصیٰ اٰدَمُ آدم سے عصیان ہوگیا، تو یہاں عصیان کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس عصیان کو ہم لوگ اپنی طرح کا عصیان نہ سمجھ لیں کہ ہم سے بھی عصیان ہوا اور نبی سے بھی عصیان ہوا لہٰذا کوئی فرق نہیں۔ ارے دوستو! اگر ایسا سمجھا تو کفر ہوجائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ تمہارے بابا آدم سے جو عصیان ہوا تھا، وہ عصیان نہیں تھا نسیان تھا فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْماً وہ بھول گئے تھے، نکرہ تحت النفی واقع ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے یعنی ان کے دل میں میری نافرمانی کے ارادہ کا ایک اعشاریہ، ایک ذرّہ تک نہ تھا، ان سے ذہول ہوگیا تھا، اللہ تعالیٰ نے نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمایا۔ اب ایسا اہل قلم گستاخ ہوگا جو نسیان کو عصیان کہنے کی جراءت کرے۔ اسی لیے باادب اکابر مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے چوک ہوگئی، وہ عصیان کا ترجمہ نافرمانی سے نہیں کرتے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر نسیان سے فرمارہے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نسیان کو عصیان سے کیوں تعبیر کیا؟ جواب یہ ہے کہ ان کی شانِ قرب کی وجہ سے، کیونکہ جو زیادہ مقرب ہوتا ہے اس کی ذرا سی چوک بھی بڑی غلطی قرار دی جاتی ہے، پس ان کی عظمتِ شان بیان کرنے کے لیے یہاں نسیان کو عصیان سے تعبیر فرمادیا لیکن نالائقوں کی نادانیوں کو دور کرنے کے لیے آگے عظمتِ شانِ نبوت بیان فرمادی کہ وہ عصیان نہیں نسیان تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں ایک تفسیری غلط فہمی کا ازالہ

ایسے ہی حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں بعض نادان اور گستاخ اہلِ قلم نے لکھ دیا کہ وہ وحی کا انتظار کیے بغیر (نعوذ باللہ) بے صبر ہوکر اپنا مستقر چھوڑ گئے، جبکہ حضرت حکیم الامت تھانوی نے مسائل السلوک حاشیہ بیان القرآن میں صحابہ وتابعین اور جملہ باادب مفسرین کے حوالہ سے ذَهَبَ مُغَاضِباً کی تین تفسیر کی ہے کہ وہ اپنی قوم سے خفا ہوکر چلے گئے لِاَجْلِ رَبِّهٖ اپنے رب کی خاطر حمیةً لدینه اپنی دینی حمیت کی وجہ سے اور اعتماداً علیٰ محبة ربه اپنے رب کی محبت پر اعتماد

کرتے ہوئے وحی کا انتظار کیے بغیر چل دیئے۔ یہ ہیں باادب مفسرین اور بے ادب اہل قلم کو مفسر اور عالم کہنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ صحابہ پر سب سے پہلے منافقین کے طبقہ نے تنقید کی تھی اور یہ کہا تھا اَنُؤْمِنُ کَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ کیا ہم ایسے ہی ایمان لائیں جیسے یہ بے وقوف لوگ ایمان لائے تو روئے زمین پر صحابہ کو سب سے پہلے جس نے برا کہا وہ منافقین کی جماعت تھی، اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں ان کو فرمایا کہ جو لوگ نبی کے صحابہ کو بے وقوف سمجھ رہے ہیں اور تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَهَآءُ اصلی بے وقوف تو یہ لوگ ہیں اور سفاہت کے معنی ہیں خِفَّةُ الْعَقْلِ وَ الْجَھْلُ بِالْاُمُوْر یعنی عقل ہلکی ہو اور حقائقِ امور سے جاہل ہو، اصل میں یہ حقائقِ امور سے جاہل ہیں اور ہلکی عقل والے یہ ہیں، یہ عقل کی گہرائیوں سے محروم ہیں وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ اور ان کو اپنی بے وقوفی کا علم بھی نہیں۔ ان کے علم پر اللہ نے لا لگایا ہے، افسوس ہے اُن پر جو اِن کے ساتھ لگے ہوئے لا کو ہٹا کر علم کی نسبت اِن کی طرف کر رہے ہیں جن کے علم پر اللہ نے لا لگایا ہے کہ یہ جاہل اور لاعلم لوگ ہیں، ان کو عالم کہنا ظلم ہے۔ خالی کتابیں پڑھنے سے کیا ہوتا ہے۔

اہل علم کا علم کب مؤثر ہوگا؟

جدہ کا واقعہ ہے، میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب بھی موجود تھے، ہم نے دیکھا کہ ایک پیٹرول پمپ پر تیل کا ایک ٹینکر جس پر سینکڑوں گیلن پیٹرول لدا ہوا تھا پیٹرول پمپ سے چند گیلن پیٹرول مانگ رہا تھا، میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ حکیم اختر دیکھو! اس کی پیٹھ پر سینکڑوں گیلن پیٹرول لدا ہوا ہے لیکن پیٹرول پمپ سے چند گیلن پیٹرول مانگ رہا ہے کیونکہ اس کے انجن میں پیٹرول نہیں ہے، جب انجن میں پیٹرول نہیں ہے تو اوپر لدا ہوا سینکڑوں گیلن پیٹرول نہ اس کے کام آسکتا ہے نہ دوسروں کے کام آسکتا ہے کیونکہ گاڑی چل ہی نہیں سکتی لہٰذا جن علماء نے اپنے علم کو پیٹھ پر لادا اور اللہ والوں کی جوتیاں اٹھا کر قلب کے اندر خشیت اور اللہ کی محبت کا

پیٹرول نہیں ڈالا ان کا علم نہ ان کے لیے مفید بن سکا نہ دوسروں کے لیے مفید بن سکا۔ اس لیے دوستو! جہاں آپ نے دس سال درسِ نظامی کا اہتمام کیا چھ ماہ یا چالیس دن کسی اللہ والے کے پاس لگالو۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد عبداللہ شجاع آبادی سے فرمایا کہ تم نے بخاری شریف پڑھ لی اور آج دستار بندی بھی ہوگئی، اب جاؤ! اور چند دن کسی اللہ والے کی جوتیاں اٹھالو۔ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ خدا کی قسم! اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے ذرّات بادشاہوں کے تاجوں کے موتیوں سے افضل ہیں کیونکہ ان کے سینے میں درد بھرا دل ہے، ان سے تمھیں اللہ کا درد ملے گا پھر تمہارا منبر منبر بنے گا، تمہارا قال اللہ ہوگا اور قال الرسول قال الرسول ہوگا، تمہارے الفاظ میں رس آجائے گا۔ نہیں تو پھر گولہ ہوگا رس نہیں ہوگا۔ اگر اہل اللہ سے محبت کا رس نہیں لیا اور خالی علم کا گولہ لے کر منبر پر بیٹھ گئے تو امت تمہاری باتوں میں رس نہیں پائے گی اور کہے گی کہ ملاؤں کے پاس جی گھبراتا ہے، ان کے پاس مزہ نہیں آتا، لیکن کسی درد بھرے دل والے اللہ والے مولوی کی صحبت میں بیٹھ کر دیکھو کہ کیا مزہ ملتا ہے، اس پر میرا ایک شعر ہے اور شعر سے اپنا تعلق اس لیے ظاہر کردیتا ہوں کہ جن کو مجھ سے محبت ہے ان کو میرے شعر میں زیادہ مزہ آئے گا۔

دل چاہتا ہے ایسی جگہ میں رہوں جہاں
جیتا ہو کوئی درد بھرا دل لیے ہوئے

دوستو! روئے زمین پر جہاں کوئی اللہ کی محبت کا درد لے کر رات دن گذار رہا ہو واللہ! اس کی صحبت میں چند دن بیٹھ جاؤ پھر بادشاہوں کے تخت و تاج نگاہوں سے گر جائیں گے، چاند وسورج نگاہوں سے گر جائیں گے، مولانا رومی فرماتے ہیں کہ

گر تو مہر و ماہ را گوئی خِفا
گر تو قدِ سرو را گوئی دوتا

اے خدا! آپ کی وہ شان ہے کہ اگر آپ سورج اور چاند کو کہہ دیں کہ تم بے نور ہو، تمہارے اندر کوئی روشنی نہیں ہے، اے خدا! اگر آپ سرو کے درخت کو جو بہت سیدھا ہوتا ہے کہہ دیں کہ تمہارے قد و قامت میں کجی ہے، ٹیڑھا پن ہے اور ؎

گر تو کان و بحر را گوئی فقیر
گر تو چرخ و عرش را گوئی حقیر

اے خدا! اگر آپ سونے کی کان کو اور سمندر کو جہاں کروڑوں، اربوں روپے کے موتی پیدا ہوتے ہیں فرما دیں کہ تم فقیر ہو اور اے خدا! اگر آپ آسمان اور عرشِ اعظم جیسی عظیم الشان مخلوق کو کہہ دیں کہ تم حقیر ہو تو مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ایں بہ نسبت با کمالِ تو روا است
ملک و اقبال و غناہا مر تو راست

اے خدا! آپ کے کمال اور آپ کی شان کے مقابلہ میں یہ سب واقعی ایسے ہیں، آپ کو زیبا ہے کہ اپنی مخلوق کو جو چاہے فرما دیں، ملک و اقبال و عزت آپ ہی کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے، مخلوق بہر حال مخلوق ہے، اسی لیے زمین و آسمان کے مقابلہ میں اگر لا الٰہ الا اللہ رکھ دیا جائے تو سارے زمین و آسمان سے زیادہ اس کا وزن بڑھ جاتا ہے، ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ آسمان و زمین سے لا الٰہ الا اللہ کا وزن اس لیے بڑھ جاتا ہے کہ اُدھر لا الٰہ ہے اور اِدھر الا اللہ ہے، ایک طرف اللہ ہے اور ایک طرف غیر اللہ ہے۔ اسی لیے عرض کرتا ہوں کہ جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ آجاتے ہیں، جس کے قلب کو تعلق مع اللہ کی دولت مل جاتی ہے تو اس کو سورج اور چاند پھیکے نظر آتے ہیں، اس کے دل کو سورج اور چاند سے روشنی نہیں ملتی، اس کو اللہ کے ذکر سے روشنی نظر آتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

دن میں اُسی کی روشنی ہے، شب میں اُسی کی چاندنی ہے
سچ تو یہ ہے کہ روئے یار شمس بھی ہے قمر بھی ہے

اللہ تعالیٰ کے نامِ پاک کی حلاوت ، اللہ تعالیٰ کا تعلق، نسبت مع اللہ اور اولیاء کو جو مقامِ قربِ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ اگر ہماری جانوں کو عطا ہو جائے تو سورج، چاند، ستارے اور ساری کائنات ہماری نگاہوں سے گر جائے، اللہ والے گو دنیا میں نظر آتے ہیں مگر ان کی جانیں عرشِ اعظم کا طواف کرتی ہیں۔ حضرت فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو اتنا مزہ آتا ہے کہ جیسے اللہ نے میرا پیار لے لیا ہو۔ اسی کو ایک شاعر کہتا ہے ؎

پردے اُٹھے ہوئے بھی ہیں، اُن کی اِدھر نظر بھی ہے

بڑھ کے مقدر آزما، سر بھی ہے، سنگِ در بھی ہے

حقیقی محبت صرف اللہ کے لیے خاص ہے

محبت کو فراق سے لُغۃً بھی مناسبت نہیں ہے لہٰذا جب لفظ محبت ادا کرتے ہیں تو دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں، محبت کا لفظ کوئی ادا کر ہی نہیں سکتا اگر دونوں ہونٹ نہ ملائے، اگر دونوں ہونٹوں میں فراق ہے تو محبت کا لفظ بھی ادا نہیں ہوسکتا تو عاشق محبوب کی جدائی کیسے برداشت کرسکتا ہے؟ لیکن دنیا میں جتنے بھی محبوب ہیں ان سب میں جدائی کی شان ہے، وہ ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتے لہٰذا محبت حقیقی کا لغۃً صدق بھی محبت مجازی پر نہیں ہوسکتا مثلاً اگر کسی کو بیوی سے محبت ہے تو وہ بیت الخلاء جائے گی یا نہیں؟ یا وہاں بھی اس کے ساتھ جاؤ گے؟ تو اتنی دیر کی جدائی تو ہوئی، کوئی کسی کا کتنا ہی محبوب ہو مرسکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے کہ ہر وقت ساتھ ہے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ان کا ذکر کر سکتے ہیں، ان کو یاد کر سکتے ہیں، رات کو بے وضو سونے کے لیے لیٹے تو بھی ان کو یاد کر سکتے ہیں، کروٹ بدلیں تو ان کا نام لیں یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ ہر وقت ان کو یاد کرنے کی اجازت ہے، ہر وقت اللہ کا نام لینے کی اجازت ہے البتہ بیت الخلاء میں منع ہے کیونکہ گندی جگہ ہے لیکن دل میں وہاں بھی دھیان رکھ سکتے ہیں تو ایک اللہ ہی کی ذات ہے جو کسی

وقت بھی ہم سے جدا نہیں ہوتی لہٰذا محبت صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے، اس کے برعکس جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر فانی صورتوں سے دل لگایا بتائیے! ان کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ میں بیوی کی محبت کو منع نہیں کرتا، بیوی سے محبت حلال ہے، باعثِ ثواب ہے مگر بیوی کی ذات سے بھی اتنی محبت ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس پر غالب رہے، اگر حلال محبت بھی اللہ کی محبت پر غالب ہوگئی تو وہ حلال بھی حرام ہو جاتی ہے اسی لیے حکیم الامت نے تَبَتُّلْ کی یہ تفسیر کی ہے کہ غیر اللہ پر اللہ کا تعلق غالب ہو جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ بال بچوں اور تجارت کو چھوڑ دو، تو جب حلال کا غلبہ حرام ہے تو حرام محبت کیسے جائز ہو جائے گی؟ دوستو! یہ سب نفس و شیطان کی چال ہے، اگر ہم نظر نہیں بچائیں گے تو ان کا شکار ہو جائیں گے۔

بدنظری سنکھیا سے بڑا زہر ہے

ایک دن بڑھئی خانقاہ میں اوپر کی منزل پر کام کر رہا تھا تو لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ذرّے اُڑ کر نیچے آنے لگے، لوگوں نے جلدی جلدی کھڑکیاں بند کر دیں۔ میں نے کہا کہ آپ نے اپنی آنکھیں بچانے کے لیے کھڑکیاں بند کر دیں تاکہ ذرّے آنکھوں میں نہ گھس جائیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ حسینوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نامحرم عورتوں سے، امرد لڑکوں سے نگاہ بچاؤ تو یہاں کیوں اِشکال ہوتا ہے؟ یہاں اللہ کی حرام کردہ چیز سے بچنے کے لیے آنکھ کی کھڑکی کیوں نہیں بند کرتے ہو؟ بدنظری سنکھیا زہر سے بڑھ کر ہے، سنکھیا تو جان لیتا ہے اور یہ ہمارا ایمان لے لیتا ہے۔

میں آپ کو اپنے چشم دید حالات عرض کر رہا ہوں کہ ایسے لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ صورتوں کے عشق میں پاگل ہو رہے تھے، رات دن ان کی یاد میں اشعار کہہ رہے تھے اور ان کا نام لے لے کر زار و قطار رو رہے تھے اور پھر میں نے انہی لوگوں کو دیکھا کہ دس سال بعد جب ان کے معشوقوں کی شکل بگڑ گئی تو اپنی لکھی ہوئی غزل پڑھتے ہوئے شرماتے تھے کہ لاحول ولا قوۃ یہ صورت کیسی ہوگئی؟ ایک صاحب

نے اپنا حال بتایا کہ جب میرے معشوق کے چہرہ کا جغرافیہ بدل گیا تو میرا عشق بھی ٹھنڈا پڑ گیا، اب غزل خوانی کی جگہ مرثیہ خوانی کرتا ہوں، اس کے حسن کے قبرستان پر مرثیہ پڑھتا ہوں، اس پر میں نے فوراً ایک شعر کہا ؎

اُدھر جغرافیہ بدلا اِدھر تاریخ بھی بدلی
نہ اُن کی ہسٹری باقی نہ میری مسٹری باقی

اللہ والے سارے عالم بے نیاز ہوتے ہیں

جب معلوم ہو گیا کہ صورتوں کے جغرافیے بدل گئے ہیں تو اب اپنی محبت کی تاریخ بتاؤ! ایسے کتنے ہی واقعات ہیں کہ بیس تیس سال بعد جب معشوقوں کی شکلیں بگڑ گئیں تو عاشق اور معشوق ایک دوسرے کا منہ تک دیکھنا نہیں چاہتے، سارے افسانے ختم ہو گئے۔ بس ایک اللہ ہی کی ذات ہے کہ جو اس پر فدا ہوا دنیا میں باعزت رہا اور اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب! اللہ کے نام میں یہ دنیاوی مزہ کہاں سے ملے گا؟ نفس دنیاوی مزہ بھی تو چاہتا ہے تو میں یہی کہتا ہوں کہ جو دنیا کے مزوں کا خالق ہے جب وہ دل میں آتے ہیں تو اپنی شانِ تخلیق کو الگ کر کے نہیں آتے، اللہ کی صفات اللہ کی ذات سے الگ نہیں ہوتیں، لہٰذا جب وہ دل میں آتے ہیں تو حوروں کی لذت بھی لے کر آتے ہیں، حسینوں کا لطف بھی لے کر آتے ہیں، دونوں جہان کی لذتوں کے ساتھ آتے ہیں۔ جو اللہ کا نام محبت سے لینا سیکھ لے وہ سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے، وہ غلامُ الصمد ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں نقل کیا ہے کہ صمد کے معنیٰ ہیں اَلْمُسْتَغْنِی عَنْ کُلِّ اَحَدٍ وَ الْمُحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ جو سارے جہاں سے مستغنی ہو اور سارا جہاں اس کا محتاج ہو تو جو غلامِ صمد بن جاتا ہے وہ پھر ان حسینوں کا غلام نہیں رہتا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

اور فرماتے ہیں۔

دِکھاتے ہم تمھیں اپنے تڑپنے کا مزہ لیکن
جو عالم بے فلک ہوتا جو دنیا بے زمیں ہوتی
وہاں رہتے جہاں دودِ فغاں کا آسماں ہوتا
وہاں بستے جہاں خاکستر دل کی زمیں ہوتی

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا
میرے باغِ دل میں وہ گل کاریاں ہیں

ہر صاحبِ نسبت کا عالم الگ ہوتا ہے

جس کے دل میں اللہ آتا ہے تو دنیا تو دنیا، سلطنت تو سلطنت حوروں کی لذت اس کے دل میں آنے لگتی ہے کیونکہ جس نے حوروں کو حسن بخشا ہے جب وہ دل میں آتا ہے تو اس صفت کو بھی ساتھ لاتا ہے، وہ اپنی صفت سے الگ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ والے روکشِ بزمِ دو جہاں ہوتے ہیں، سارے جہاں کو خاطر میں نہیں لاتے، آسمان و زمین کو خاطر میں نہیں لاتے، سورج اور چاند کو خاطر میں نہیں لاتے، ہر صاحبِ نسبت کا سورج الگ ہوتا ہے، چاند الگ ہوتا، اس کے زمین و آسمان الگ ہوتے ہیں، اس کا عالم الگ ہوتا ہے۔ میں نے حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب سے عرض کیا کہ خدا کے عاشقین کا عالم الگ ہوتا ہے اور پھر اپنا ایک مصرع پیش کیا۔

اپنا عالم الگ بناتا ہے

حضرت نے فرمایا کہ اس پر میرا بھی ایک مصرع لگالو۔

عشق میں جان جو گنواتا ہے
اپنا عالم الگ بناتا ہے

لہٰذا اللہ پر فدا ہو جاؤ، نظر بچانے میں جان کی بازی لگا دو، اگر شیطان کہے کہ اگر اس حسین کو نہیں دیکھو گے تو جان نکل جائے گی تو شیطان سے کہہ دو کہ ہم جان دینے ہی

کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور جان دے کر بھی یہ کہیں گے ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اگر جان جاتی ہے تو جانے دو، ایسی مبارک جان کہاں ملے گی جو اللہ کے راستے میں نکلے۔

مخلوق کو ایذا پہنچانے والا صاحبِ نسبت نہیں ہوسکتا

تو میں عرض کررہا تھا کہ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً کے معنیٰ ہیں جو مخلوق کے حقوق میں کوتاہی کرے حالانکہ فَاحِشَۃً قرآن پاک میں دوسری جگہ زِنا کے معنیٰ میں آیا ہے لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً لیکن تمام مفسرین نے اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں فَاحِشَۃً کے معنیٰ ہیں کہ جن سے اللہ کے بندوں پر ظلم ہوجاتا ہے مثلاً معمولی سی خطا پر بلاوجہ بیوی کو پیٹ ڈالا اور وہ بیچاری تکلیف کے مارے ہر کروٹ پر رو رہی ہے تو خوب سمجھ لو! جو شخص اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے وہ صاحبِ معرفت نہیں ہوسکتا۔

ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت کی اہلیہ محترمہ رشتہ داروں سے ملنے گئیں، جاتے ہوئے حضرت سے کہہ گئیں کہ مرغی کا ڈربہ کھول دیجیے گا تاکہ مرغیاں دانہ پانی کھالیں، بتایئے! ڈیڑھ ہزار تصانیف کے مصنف کو ڈربہ یاد رہے گا؟ حضرت بھول گئے، اور تفسیر بیان القرآن لکھنے بیٹھے مگر دل میں مضامین کی آمد بند ہوگئی، سوچنے لگے کہ یا اللہ آج کیا بات ہے کہ مضمون کی آمد نہیں ہورہی دل بے کیف ہے، یہ کیا ہوگیا۔ دیکھئے اگر اللہ تعالیٰ کی ذرا سی بھی ناراضگی ہوجائے، اللہ سے غفلت ہوجائے یا مخلوق کے حقوق میں کوتاہی ہوجائے اور مخلوق کے حقوق کو خدا نے اپنے حقوق میں شامل کیا ہے، مخلوق کے حقوق

میں غفلت کو اللہ نے اپنے حقوق میں غفلت شمار کیا ہے، جو بیٹے کو ستاتا ہے باپ اس کو اپنے اوپر ظلم سمجھتا ہے لہٰذا ایک قیامت تو اجتماعی آئے گی جب اللہ اللہ کہنے والے نہیں ہوں گے تو زمین و آسمان سب گر پڑیں گے اور ایک قیامت انفرادی آتی ہے، جو اللہ کو بھول جاتا ہے اس کے دل کی دنیا اجڑ جاتی ہے، اس کے دل کے زمین و آسمان چاند ستارے سب گر پڑتے ہیں، اس کا شامیانہ اجڑ جاتا ہے، یہ انفرادی قیامت ہے، خدا سے غفلت انفرادی قیامت ہے۔ تو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ جلدی بتا دیجئے کہ اشرف علی سے کیا خطا ہو گئی ہے میرے دل پر منکشف کر دیجئے تاکہ میں توبہ کر لوں اور بخاری شریف کی یہ دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ یا اللہ! مجھ پر ہدایت کا اِلہام کر دیجیے، جس بات سے آپ راضی ہوں اس کا الہام کر دیجیے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ یہ دعا کرتے ہی فوراً دل میں آواز آئی، حضرت کو اِلہام ہوا کہ جاؤ! مرغیوں کو کھول دو، حضرت جلدی سے گئے، مرغیوں کو کھولا، اُنہیں دانہ پانی ڈالا، واپس آئے اور بیان القرآن لکھنے کے لیے قلم اُٹھایا تو مضامین کی آمد شروع ہو گئی۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دم ساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

تو جب مرغی جیسی ادنیٰ مخلوق کی وجہ سے مجدد کا فیض بند ہو سکتا ہے تو ذرا ذرا سی بات پر بیویوں کو ستانے والے کا کیا حال ہوگا؟ وہ بے چاری اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئی اب ذرا ذرا سی بات پر منہ چڑھائے بیٹھے ہیں مثلاً غلطی سے نمک تیز ہو گیا، بستر ٹھیک سے نہیں بچھایا، کپڑے دھونا بھول گئی یا تولیہ صاف نہیں کیا اب جلال چڑھا ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ کیا بتاؤں یہ ذکر اللہ کا اثر ہے۔ ارے یہ ذکر اللہ کا

اثر ہے؟ اگر تم پر ارحم الراحمین کے ذکر کا اثر ہوتا تو رحمۃ للعلمین کے امتی ہوکر تم ارحم امتی بامتی ہوجاتے، تم پر شانِ رحمت غالب ہوجاتی۔ کیوں اتنا ذکر کیا شیخ کو لکھو کہ میرا مزاج بگڑ رہا ہے، اعتدال سے خالی ہورہا ہے، بات بات پر غصہ آرہا ہے تو شیخ ذکر میں کمی کرادے گا۔ صوفی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ ہر شخص پر ڈنڈا اٹھائے اور کہے کہ جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں، فقیری تو صبر و تحمل کا نام ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جارہے تھے، ایک فاحشہ عورت نے ان پر راکھ پھینک دی، مریدوں نے مارنے کے لیے ڈنڈا اٹھایا تو حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا کہ خبردار! اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو صبر کا پیالہ پینا پڑے گا بلکہ خدا کا شکر ادا کرو، مریدوں نے پوچھا کہ کس بات کا شکر ادا کریں؟ فرمایا کہ جو سر آگ برسنے کے قابل تھا اس پر خدا نے راکھ برسادی۔ یہ ہیں اللہ والے جو اپنے کو سب سے حقیر سمجھتے ہیں۔

مذکورہ آیت میں ذکر اللہ کی تفسیر

تو میں عرض کررہا تھا کہ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً سے مراد ہے کہ جس سے مخلوق کے حقوق میں غفلت ہوجائے اور جس نے اللہ کے حقوق میں کوتاہی کی تو ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ذکروا اللہ وہ لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں یعنی اللہ کو یاد کرتے ہیں تو یہاں ذکر سے کیا مراد ہے؟ جس سے مخلوق کے حقوق میں کوتاہی ہوئی مثلاً کسی کی گھڑی چرالی، کسی کو گھونسا ماردیا، کسی کو گالی دے دی تو اب صرف ذکر و تسبیح سے یہ گناہ معاف نہ ہوگا۔ حکیم الامت تفسیر بیان القرآن میں اور علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ جس نے مخلوق کے حقوق میں کوتاہی کی، مثلاً کسی کی گھڑی چرائی ہے تو اس کی گھڑی واپس کرے، جس کو ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچائی اس سے معافی مانگے، بیوی کو کچھ کہہ دیا تو اس سے معذرت کرے کہ معاف کردو مجھ سے خطا ہوگئی، اس کو خوش کرو، رس ملائی یا گلاب جامن اس کے منہ میں ڈالو، معافی مانگنے میں شرماؤ مت، اسے سینے سے لگا کر

کہو مجھے معاف کردو، میں نے تمہارا دل دُکھایا ہے، اللہ مجھ سے ناراض ہوگیا اور اگر اللہ کے حقوق میں کوتاہی ہوئی مثلاً بدنظری کی تو بدنظری کی معافی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اس سے جا کر معافی مانگو کہ کل میں تمہیں بری نظر سے دیکھ رہا تھا مجھے معاف کردو، یہ حقوق اللہ ہیں اس کی صرف اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور توبہ واستغفار کرو۔

ذکر اللہ کی پانچ تفسیریں

اس لئے یہاں ذَکَرُوا اللہ کی پانچ تفسیریں ہیں۔ پہلی تفسیر ہے ذَکَرُوا عَظْمَتَہٗ وَ وَعِیْدَہٗ جب اللہ کے خاص بندوں سے کوئی خطا ہو جاتی ہے تو اللہ کی عظمت اور اس کی وعید کو یاد کرتے ہیں۔ دوسری تفسیر ہے ذَکَرُوا عَرْضَ عَلَیْہِ اللہ کے حضور اپنی پیشی کو یاد کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ پوچھے گا کہ تم جس کوٹھڑی میں چھپ کر گناہ کر رہے تھے وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وہاں میں بھی تھا وَاللہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَ مَثْوٰاکُمْ جب شہر میں بس اسٹاپوں پر سے گذرتے ہوئے تم لڑکیوں کے اسکولوں کے سامنے کھڑے ہو کر جو بدنگاہی کرتے تھے تو تمہارا تقلب فی البلاد شہروں میں چلنا پھرنا بھی خدا دیکھ رہا تھا اور مثواکم جب تم اپنی قیام گاہوں میں چھپ کر گناہ کر رہے تھے تو بھی خدا تمہیں دیکھ رہا تھا۔ تیسری تفسیر ہے ذَکَرُوا سُوَالَہٗ بِذُنُبِھِمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃ ان پر اللہ تعالیٰ کے سوالات کا خوف طاری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ پوچھیں گے کہ دنیا میں کیا کیا اعمال کیے، چوتھی تفسیر ہے ذَکَرُوا جلالَہٗ فَھَابُوا اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کو یاد کرتے ہیں اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور پانچویں تفسیر ہے ذَکَرُوا جَمَالَہٗ فاستحیوا اللہ تعالیٰ کے جمال کو یاد کرتے ہیں اور شرمندہ ہو جاتے ہیں کہ جو حوروں کا خالق ہے وہ خود کیسا ہوگا؟ ؎

چہ باشد آں نگارے کہ بندد ایں نگارہا

جو حسینوں کو حسن کی بھیک دیتا ہے وہ خود کتنا حسین ہوگا، اس کے حسن کا کیا عالم ہوگا کہ جس کو دیکھنے کے بعد حوریں بھی یاد نہ رہیں گی بلکہ حوریں ہم پر فدا ہونے لگیں گی،

جنت میں اللہ کا دیدار کر کے اور اللہ کے جلووں کو اپنے چہروں میں جذب کر کے، جب ہم حوروں کے پاس جائیں گے تو وہ ہم پر فدا ہوں گی کہ آج تم کہاں سے اتنا حسن لے کر آئے ہو؟ جواب یہی ہوگا کہ جس نے تم کو حسن کی بھیک دی ہے ہم اسی بھیک دینے والے کے پاس سے آرہے ہیں۔

ذاکر اور غافل گنہگار میں کیا فرق ہے؟

یہاں ذکر وا اللہ کے بعد فاستغفروا کا ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ ذکر کی برکت سے حضوری نصیب ہوتی ہے اور حضوری کے بعد فوراً توبہ کی توفیق ہوتی ہے اسی لیے حکیم الامت فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ والوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں اگر ان سے کبھی غلطی ہوجائے تو ان کو جلد توبہ کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے کیونکہ جو روشنی میں رہنے کے عادی ہوتے ہیں، جب ان کا بلب فیوز ہوتا ہے تو فوراً پاور ہاؤس کو فون کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ والے گناہوں کی ظلمت کے عادی نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان سے اگر کبھی خطا ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے رابطہ کر کے توبہ واستغفار کر کے اپنا نور بحال کرا لیتے ہیں، کسی نے حکیم الامت سے عرض کیا کہ حضرت غافل شخص سے بھی گناہ ہوتا ہے، اور اللہ اللہ کرنے والوں سے بھی کبھی غلطی ہوجاتی ہے تو پھر ذاکر اور غافل میں کیا فرق ہوا؟ حضرت نے فرمایا کہ غافل جو ذکر اللہ نہیں کرتا اس کے دل میں پہلے ہی سے اندھیرا ہوتا ہے، یہ جب بدنگاہی کرے گا تو اندھیروں پر اندھیرا چڑھ جائے گا، اس کو توبہ واستغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ کر کے گویا پاور ہاؤس فون کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوگی اور جو ذکر کے چراغ جلائے ہوئے ہیں وہ روزانہ توبہ واستغفار کر کے اپنا نور بحال کرا لیتے ہیں۔ جو اللہ کا نام لیتا ہے، اس سے جب بدنگاہی ہوگی اور اس کے دل کے نور کا بلب فیوز ہوگا، دل میں اندھیرا آئے گا تو وہ اللہ کے پاور ہاؤس میں توبہ واستغفار کے آنسوؤں سے وائرلیس کرے گا کہ اے خدا! دل میں اندھیرا آگیا ہے، جلدی سے دوبارہ روشنی بھیج دیجیے، ہمارے گناہوں

کے اندھیرے اپنی رحمت سے دور کردیجیے۔ ذاکر کو گناہ سے پریشانی ہوجاتی ہے اور غافل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ذاکر اور غافل گنہگار میں یہی فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح گناہ کی لذت میں بھی فرق ہوجاتا ہے۔ جو غفلت سے گناہ کرتا ہے وہ گناہ کا پورا مزہ لیتا ہے یعنی انتہائی غفلت سے گناہ کرتا ہے اسی لیے اس کو گناہ چھوڑنا مشکل ہوتا ہے اور جب ذاکر سے گناہ ہوتا ہے تو دھڑکتے ہوئے دل سے ہوتا ہے کیونکہ اس کو اللہ کا استحضار ہوتا ہے، ذکر کے نور کی برکت سے اس کا قلب اندھیرے کا عادی نہیں ہوتا، گناہ کرتے وقت اس کا دل گھبرایا گھبرایا سا رہتا ہے لہٰذا گناہ کی لذت بھی ناقص ہوجاتی ہے اور ناقص مزے کو چھوڑنا آسان ہوتا ہے، توبہ کی توفیق جلد نصیب ہوجاتی ہے، جلد قابلِ واپسی ہوتا ہے اور اگر غافل بہت دن تک غفلت سے گناہ کرتا رہے تو ناقابلِ واپسی بھی ہوسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ذکر وا اللہ کے بعد فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ فرمایا کہ میرے ذکر کے بعد اگر تم کو استغفار کی توفیق ہوجائے تو سمجھو کہ تمہارا ذکر قبول ہے۔ اگر تم ذکر خوب کرتے ہو، لیکن گناہ نہیں چھوڑتے تو تمہارا ذکر کامل نہیں ہے، ذکر کامل اور مقبول کب ہوگا؟ ذکروا اللہ کا مقام تمہیں کب نصیب ہوگا؟ جب تم فَاسْتَغْفِرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ کے مصداق ہوگے یعنی اپنے گناہوں سے استغفار کروگے اور استغفار جب کامل ہوگا جب ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ کے مصداق ہوکر آئندہ کے لیے عزم کروگے کہ اب کبھی گناہ نہیں کریں گے، چاہے یہ عزم ہزاروں دفعہ ٹوٹ جائے، آپ ٹوٹنے کے ذمہ دار نہیں ہیں توڑنے کے ذمہ دار ہیں، توبہ قصداً نہ توڑیں ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ گناہ کے تقاضے کے وقت پوری ہمت کرو کہ جان دے دیں گے مگر گناہ نہیں کریں گے، خود ہمت کرو، خدا سے ہمت کی دعا مانگو اور خاصانِ خدا سے ہمت کی دعا کی درخواست کرتے رہو ان شاء اللہ تعالیٰ سلوک طے ہوجائے گا۔

اللہ کے سوا گناہوں کو کوئی معاف نہیں کرسکتا

آگے فرماتے ہیں وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰہ اللہ کے سوا کوئی تم کو معاف نہیں کرسکتا، اگر سارا عالم امریکہ، روس، جاپان کیا بلکہ بالفرض ساری دنیا کے اولیاء اللہ اور قطب مل کر کہہ دیں کہ تمہاری بدنگاہی ہم نے معاف کردی تو ان کے کہنے سے یہ گناہ ہرگز معاف نہیں ہوگا جب تک اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمادیں۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے والے بھائیوں سے کہا کہ میں نے تمہیں معاف کردیا اور تمہارے لئے استغفار کردیا تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اے بابا! آپ نبی تو ہیں مگر خدا نہیں ہیں، بھائی یوسف نے ہمیں معاف کردیا، بابا نے بھی معاف کردیا لیکن بابا کے اوپر جو بڑے مالک رب العالمین ہیں اگر انہوں نے ہمیں معاف نہیں کیا، تو پھر معلوم نہیں ہمارا کیا ہوگا لہٰذا خدا سے بھی معاف کرادیجیے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بیسیوں برس تک روتے رہے کہ اے اللہ! میرے بیٹوں کی مغفرت کے لیے وحی نازل فرمادیجیے۔ ایک دن جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ بذریعہ وحی آپ کے بیٹوں کی توبہ قبول ہونے کی بشارت آگئی۔ پھر فَقَامَ الشَّیْخ انہوں نے سب آگے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کھڑا کیا، ان کے پیچھے حضرت یوسف علیہ السلام کو کھڑا کیا ثُمَّ قَامَ اِخْوَانُہٗ خَلْفَ یُوْسُف پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے ان مجرم بھائیوں کو کھڑا کیا جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا تھا، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سرکاری مضمون سے دعا کرائی، فرمایا کہ آپ سب یہ دعا مانگیے جس کا مضمون میں آسمان سے لے کر آیا ہوں یَا رَجَآءَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَقْطَعْ رَجَآئَنَا اے ایمان والوں کی آخری امید! اپنی رحمت سے ہماری امیدوں کو نہ کاٹیئے کہ آپ کے بعد ہماری کوئی آخری عدالت اور سپریم کورٹ نہیں ہے، یہاں کے بعد مجرم پھر کہیں نہیں جاسکتا، یَا غِیَاثَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَغِثْنَا اے ایمان والوں کی فریاد کو سننے والے! ہماری فریاد سن لیجیے، یَا

مُعِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِنَّا اے ایمان والوں کے مددگار! ہماری مدد فرما دیجیے، یَا مُحِبَّ التَّوَّابِیْنَ تُبْ عَلَیْنَا اے توبہ کرنے والوں سے محبت فرمانے والے! ہم پر توجہ فرما دیجیے، ہماری توبہ کو قبول فرما لیجیے۔ بس اُسی وقت اُن کا کام بن گیا اور توبہ قبول ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ ذکر مقبول اُسی کا ہے جسے توبہ واستغفار کی توفیق ہو جائے اور جو گناہوں کو چھوڑ دے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے سوا ہم کو کوئی معاف نہیں کرسکتا جو قرآن پاک سے ثابت ہے یعنی وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللہُ۔

گناہوں پر اصرار کی شرعی تعریف

اللہ تعالیٰ آگے فرما رہے ہیں وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ اور وہ لوگ اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔ اور اصرار کا ترجمہ وہ نہیں ہے جو عام لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر دوبارہ خطا ہوگئی تو سمجھتے ہیں کہ بس میں مردود ہوگیا۔ دوستو! خطاؤں کا بار بار ہونا مردودیت کی علامت نہیں ہے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ نبوت کے الفاظ نقل کر رہے ہیں گویا اس آیت کی تفسیر فرما رہے ہیں مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَ لَوْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً جو استغفار و توبہ کرلیتا ہے اگرچہ اس سے پھر ستّر دفعہ گناہ ہو جائے تو وہ اصرار کرنے والوں میں شامل نہیں ہوتا بشرطیکہ توبہ کرتے وقت آئندہ گناہ سے بچنے کے لیے جان کی بازی لگا دینے کا پکا ارادہ ہو کہ یا اللہ! میں جان دے دوں گا مگر گناہ کر کے آپ کو ناراض نہیں کروں گا اور اللہ والوں سے گناہوں کو چھوڑنے کی تدبیر بھی پوچھتا ہے، اپنی اصلاح کے لیے فکرمند رہتا ہے کہ ہماری کوئی سانس گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں نہ گذرے۔ اس کے باوجود اگر کبھی سال چھ مہینہ میں کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر کے پھر سے کمر باندھ لے۔

نسیم جاگو کمر کو باندھو
اٹھاؤ بستہ سحر ہوئی ہے

تو اصرار کی تفسیر بتادی تاکہ لوگ اصرار کے اردو معنیٰ نہ سمجھ لیں یعنی ضد کرنا، بار بار کرنا، یہاں اصرار کے لغوی معنیٰ مراد نہیں ہیں۔ اَصَـرَّ کا اردو مطلب نہ سمجھ لینا۔ علامہ آلوسی اصرارِ شرعی کی تفسیر بیان کرتے ہیں اَلْاِصْـرَارُ الشَّرعِیُ اَ لْاِقَامَۃُ عَلیٰ الْـقَبِیْحِ بِدُوْنِ الْاِسْتِغْفَارِ وَ التَّوْبَۃِ جو توبہ واستغفار کیے بغیر گناہ پر قائم رہے، گناہ پر گناہ کیے جارہا ہو توبہ ہی نہ کرتا ہو، یہ ہے گناہوں پر اصرار کرنے والا۔ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْن یہاں وَھُمْ یَعْلَمُوْن کیوں نازل فرمایا؟ علاّمہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَھُمْ یَعْلَمُوْن حال ہے، یہاں ایک لفظ پوشیدہ یعنی محذوف ہے وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ قُبُحَ فِعْلِھِمْ یعنی جو اپنے گناہوں کے عذاب اور وبال کو جانتے ہیں کہ ان برے اعمال سے اللہ ناراض ہوجاتا ہے اور اگر اللہ ناراض ہوجائے تو کہیں چین نہیں ملتا۔

نگاہِ اقرباء بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اِک اُن کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اثرات

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے حق میں کوئی کوتاہی ہوجاتی ہے تو میری بیوی بھی نافرمان ہوجاتی ہے، میرے بچے بھی نافرمان ہوجاتے ہیں، میرا گھوڑا بھی نافرمان ہوجاتا ہے، جس سے خدا ناراض ہوتا ہے وہ دنیا میں کہیں چین نہیں پاسکتا اور جس نے اللہ کو راضی کرلیا ساری کائنات اس کے چین کو چھین نہیں سکتی چاہے وہ کانٹوں میں لیٹا ہو مگر دل کی بہار کو کانٹے بھی نہیں چھین سکتے میرا شعر ہے۔

صدمہ وغم میں مرے دل کے تبسم کی مثال
جیسے غنچہ گھرے خاروں میں چٹک لیتا ہے

خاصانِ خدا گناہوں پر اصرار کیوں نہیں کرتے

اگر کلیاں کانٹوں میں کھِل سکتی ہیں، مسکرا سکتی ہیں تو وہ دل جو اللہ کو راضی

کیے ہوئے ہے غموں میں بھی اللہ کی اس کو تبسم کا مقام دے سکتا ہے۔ تو علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ حال ہے فَاِنَّ الْحَالَ قَدْ يَجِيْئُ فِيْ مَعْرِضِ التَّعْلِيْلِ اللہ تعالیٰ نے یہاں علت بیان کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ گناہوں پر اس لیے قائم نہیں رہتے کہ میری ناراضگی اور میرے غضب سے بہت ڈرتے ہیں گو کبھی نفس سے مغلوب ہو جاتے ہیں لیکن گناہ کے بعد ان پر ندامت طاری ہو جاتی ہے، خون کے آنسوؤں سے روتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اگر میرا اللہ ناراض ہو گیا تو میرا ٹھکانہ نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں ہے۔ پھر نہ بیوی مجھے چین دے سکتی ہے نہ بچے چین دے سکتے ہیں اگر کینسر ہو جائے یا گردے میں پتھری پڑ جائے تو نہ بیوی یاد آتی ہے نہ بچے یاد آتے ہیں بس اللہ ہی یاد آتا ہے، جب تک ہم لوگ چین سے ہیں اللہ کو کم یاد کرتے ہیں حالانکہ علامہ آلوسی نے حدیث نقل کی ہے اُذْكُرُوا اللهَ فِيْ الرَّخٰى يَذْكُرْكُمْ فِيْ الشِّدَّةِ کہ سکھ اور عیش میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو وہ دُکھ میں تمہیں یاد رکھے گا، تمہاری ہر آہ فوراً قبول ہو جائے گی۔ آہ پر مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا ؎

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تو نے کمال کر دیا

اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے

ایک بزرگ نے مسجد میں ڈیڑھ گھنٹے ذکر کیا، ان کے یہاں مہمان آیا ہوا تھا، اس کو جلدی چائے پینے کی عادت تھی، اس نے پوچھا کہ اتنی دیر سے مسجد میں کیا کر رہے تھے؟ بزرگ نے جواب دیا کہ اپنی روح کو ناشتہ کرا رہا تھا، یہ روحانی ناشتہ تھا، جسم میں روح نہ ہو تو چائے نہیں پی سکتے۔ اللہ کا نام روحانی غذا ہے جو جسمانی تکلیفوں کو راحت سے بدل دیتا ہے۔ میرا شعر ہے ؎

ہر تلخیٔ حیات و غمِ روزگار کو
تیری مٹھاسِ ذکر نے شیریں بنا دیا

گناہوں سے بچنے کا نسخہ

جب کوئی غم آئے چاہے بیوی بیمار ہو، بچہ بیمار ہو، دشمن ستا رہا ہو، کوئی بھی غم آئے یہاں تک کہ گناہ سے بچنے کا غم بھی ہوتا ہے، برائی کی عادت نہیں چھوٹتی تو دو رکعات صلوٰۃ الحاجت تین دفعہ پڑھیے اور تین دفعہ اس لیے کہتا ہوں کہ تین عربی میں جمع کے لیے آتا ہے یعنی کثرت سے دعا کرنا ثابت ہو جائے۔ محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی واپس آئی تو ان کی والدہ سے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا قَدْرَدَّ اللّٰہُ بَصَرَ وَلَدِکِ بِکَثْرَۃِ دُعَاءِ کِ اے امام بخاری کی والدہ! تیرے بیٹے کی بینائی خدا نے واپس کر دی تیری کثرتِ دعا کی وجہ سے اور عربی میں تین سے کم کو کثرت میں شمار نہیں کیا جاتا لہٰذا روزانہ مختلف اوقات میں تین دفعہ صلوٰۃ الحاجات پڑھیے اور تین سے کم آنسو نہ بہائیے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جہاں رونے کا حکم آیا ہے وہاں آنسو کے لیے کہیں دَمْعٌ کا لفظ آیا ہے اور کہیں دُمُوْعٌ آیا ہے اور دُمُوْعٌ جمع ہے دَمْعٌ کی تو عربی میں جب جمع استعمال ہوگا تو تین سے کم نہیں ہوگا لہٰذا کم از کم تین آنسو تو بہالو اور اگر تین آنسو بھی نہ نکلیں تو پھر ابن ماجہ والی حدیث کا دامن پکڑنا پڑے گا جس کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو سترہ سال کی عمر میں ایمان لائے تھے اور جن کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِرْمِ یَا سَعد فِدَاکَ اَبِی وَ اُمِّی اے سعد! تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان۔ اور پھر دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ سَدِّدْ سَھْمَہٗ وَ اَجِبْ دَعْوَتَہٗ اے اللہ! میرے سعد کے تیر کا نشانہ ٹھیک کر دے اور اس کی دعا کو ہمیشہ کے لیے قبول کر لے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اَحَدُ الْعَشَرَۃ بھی ہیں اور اٰخِرُ الْعَشَرَۃ بھی ہیں، یعنی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور ان کے انتقال کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے کوئی دنیا میں باقی نہیں رہا، یہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی شکل

بنالو۔ دوستو! میں تو اس کو بزرگوں کا قول سمجھتا تھا لیکن جب ابن ماجہ کی یہ حدیث دیکھی تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، کم از کم تین قطرہ آنسو تو نکل ہی آتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

سنا ہے سنگ دل کی آنکھ سے آنسو نہیں بہتے
اگر سچ ہے تو دریا کیوں پہاڑوں سے نکلتے ہیں

اگر آپ قیامت کے نقشہ کا، دوزخ کی آگ کا اور قبر کا مراقبہ کریں گے تو ان شاء اللہ آنسو نکل آئیں گے، لیکن حدیث نے رعایت کی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت ہے کہ رونے والوں کی شکل بنالو تو بھی کام بن جائے گا۔

شکل بنانے پر ایک واقعہ یاد آ گیا، ایک سپاہی تھا۔ اس کا انگریز افسر کپتان تھا جو چھٹی دینے میں نہایت بخیل تھا، اس نے کپتان کے پاس جانے سے پہلے آنکھوں میں پیاز لگائی اور جعلی آنسو بہاتا ہوا اس کے پاس گیا کہ سر! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور پھر خوب آنسو بہائے، کپتان اس کے آنسو دیکھ کر اسے فوراً چھٹی دے دی، بعد میں خوب ہنسا کہ میں نے اپنے افسر کو بے وقوف بنا دیا لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ دوسرا ہے، یہاں پیاز لگا کر آنسو بہانے کی بھی ضرورت نہیں، اگر آنسو نہ آئیں تو اُن کی شانِ رحمت کو لینے کے لیے رونے والوں کی شکل بنالو ان شاء اللہ اس سے ہی کام بن جائے گا۔

لہٰذا جب کبھی کوئی غم آئے مثلاً اصلاح نہ ہو رہی ہو، کوئی روحانی بیماری نہ جا رہی ہو، بچہ بیمار ہو یا خود بیمار ہوں غرض کوئی بھی پریشانی یا بیماری ہو تو ڈاکٹر پر یا تدابیر پر زیادہ بھروسہ مت کرو، یہ پیالے ہیں اور پیالوں سے کچھ نہیں ملے گا، پیالوں میں بھیک کوئی اور دیتا ہے صحت بھی اللہ کے یہاں سے ملے گی، تندرستی بھی وہاں سے ملے گی اور دشمن بھی وہیں سے مغلوب ہوگا لہٰذا جب کبھی کوئی دشمن ستائے تو سمجھ لو کہ یہ اُن کے اُبھارے ہوئے ہیں۔

بھلا اِن کا منہ تھا میرے منہ کو آتے
یہ دشمن اُنہی کے اُبھارے ہوئے ہیں

لہٰذا جب ان کو راضی کرلو گے تو ہماری نالائقی اور گناہوں کے کتے پن کے سبب دشمنوں کے جو شیر ہم پر مسلط کیے گئے تھے وہ ہٹا لیے جائیں گے۔ مولانا رومی کی دعا ہے ؎

گرسگی کردیم اے شیر آفریں
شیر را مگمار برمازیں کمیں

اے خدا! مجھ سے تو کتا پن ہوگیا، بدنظری ہوگئی، گناہ ہوگئے لیکن آپ ہم پر رحم فرمائیے، ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور اپنے شیر کو ہماری پیٹھ پر سے ہٹا دیجیے۔ ان شاء اللہ استغفار اور دعا کی برکت سے وہ دشمن کو نرم کردیں گے۔ جو شیروں کو مسلط کرنا جانتے ہیں وہ بھگانا بھی جانتے ہیں بلکہ انہیں مسخر کرکے آپ کا غلام بھی بنا سکتے ہیں۔

اب دعا کرلیجیے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ یا اللہ! سب سے پہلے اختر محتاج ہے، اس مجلس میں میرے بزرگ بھی موجود ہیں، حکیم الامت کو دیکھے ہوئے لوگ بھی ہیں، میں ان سے اور سارے صالحین سے عرض کرتا ہوں کہ سب سے زیادہ محتاج اختر ہے، دعا کیجیے کہ یا اللہ! جو کچھ اس مقرر نے کہا اس پر زیادہ سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمادے۔ یہ مجلس صیانۃ المسلمین حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کی ہوئی ہے اِس کی برکت سے آج یہاں پورے ملک سے لوگ آئے ہوئے ہیں یا اللہ! اس مبارک مجلس کو قبول فرمالے اور حکیم الامت کے نام کی نسبت کے صدقہ میں ہم سب کو صاحبِ نسبت بنادے اور نہایت اقویٰ نسبت عطا فرمادے، ہم اللہ سے کم نسبت کیوں مانگیں؟ کم پر کیوں راضی رہیں؟ جب ہم اللہ سے مانگتے ہیں تو اپنے ربّا کی شانِ کریمی پر نظر رکھ کر مانگتے ہیں اور ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کریم اس ذات کو کہتے ہیں اَلَّذِیْ یُعْطِیْ بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ جو

نالائقوں پر فضل کر دے، اے خدا! ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ ہم نالائق ہیں، نااہل ہیں لیکن ہمارے سینوں میں جو دل ہے آپ اسے پیار کر کے اپنا بنالیں، جب آپ ہمارے دل کو اپنا بنالیں گے تو قالب خود بخود آپ کا ہو جائے گا، جب بادشاہ آپ کا ہوگا تو جسم تو رعایا ہے، یہ خود ہی آپ کا ہو جائے گا، پس آپ ہمارے دلوں کو اپنی ولایت کے لیے، اپنی محبت کے لیے منتخب فرمالیں، اپنی شانِ کریمی کے صدقہ ہم سے سب گناہوں کو چھڑوا دیجیے، تمام گناہوں سے توبہ صادقہ نصیب فرمایئے، استقامت علی الدین نصیب فرمایئے اور آپ نے اپنے اولیاء صدیقین کے سینوں میں اپنی محبت کا جو درد اور اپنی نسبت اور اپنے تعلق کی جو دولت عطا فرمائی ہے وہ ہمیں بھی اپنی رحمت سے عطا فرما دیجیے۔

آخر میں اختر آپ سے وہ دعا مانگتا ہے جو ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سکھائی تھی کہ جب دعا مانگتے مانگتے تھک جاؤ تو خدا سے یہ کہہ دو کہ اے خدا! ہم مانگتے مانگتے تھک گئے، اب بغیر مانگے اپنی رحمت سے ہمیں سرفراز فرما دیجیے، آپ کا نام بہت بڑا نام ہے، جتنا بڑا آپ کا نام ہے اتنا ہم پر کرم فرما دیجیے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ. بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم
وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم

